از خلافت تا امارت

امّت مسلمہ کے لئے واجب القبول نظام

(۲)

جناب مولانا محمد عبداللہ سلیم مدرس دارالعلوم دیوبند

کمالات پیغمبری کا حصول

اب دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر اور ایک امتی کے درمیان فرق کس نوع کا ہے اور اُس فرق کے باوجود پیغمبر کا کوئی کمال امتی حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کس درجہ تک؟ تاکہ کمالات پیغمبری کے ساتھ مشابہت کی بات کو بوضاحت سمجھا جا سکے۔

مولانا اسماعیل شہیدؒ کی بحث کا خلاصہ

اس سلسلہ میں عارف باللہ شہید امت حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ دہلوی نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اور بڑے اچھے انداز میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"تمام کمالات جو حضرات انبیاء علیہم السلام کے اندر اعلیٰ درجہ کے ہوتے ہیں، ان کا ادنیٰ درجہ ہر مخلص مسلمان صحیح الاعتقاد کو ضرور نصیب ہوتا ہے۔ پھر افراد امت میں ان کے ایمان و اسلام کے مراتب کے مطابق درجات کے فرق سے یہ کمالات موجود ہوتے ہیں۔ اس بات کو

سمجھنے کے لئے ایک اصول کو پیش نظر رکھا جائے کہ کسی بھی دو چیزوں کے درمیان فرق کی دو نوعیتیں ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ دونوں ایک دوسرے سے ذات و احکام اور آثار میں ممتاز ہیں، جیسے لکڑی اور پتھر، انسان و حیوان، گھوڑا اور گدھا وغیرہ، دوسرے یہ کہ دونوں کے مابین امتیاز کلی نہیں ہے، بلکہ اتحاد جنس کے باوجود اختلاف فقط فرق مراتب کا ہے، مثلاً حرارت قوی و ضعیف، کہ جنس تو دونوں کی ایک ہی ہے، لیکن قوت وضعف کے اندر باہمی فرق ہے۔ اسی طرح ٹھنڈک، روشنی، اندھیرے اور رنگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ ایک ہی جنس کی چیزیں ہونے کے باوجود اگر فرق ہوگا تو کمی زیادتی اور شدت و ضعف کا ہوگا۔ مثلاً کئی کپڑوں کو ایک ہی رنگ دیا جائے لیکن تھوڑا تھوڑا فرق کر دیا جائے۔ کسی میں بہت ہلکا، دوسرے میں کسی قدر زیادہ تیسرے میں اس سے زیادہ اسی طرح بڑھتا چلا جائے۔ اب ایسی صورت میں ادنیٰ درجہ کا فرق اعلیٰ درجہ سے تو بالکل واضح اور نمایاں ہوگا، لیکن اگر کسی بھی درجہ کو اس سے متصل درجہ سے ممتاز کرنا چاہیں تو اس میں دشواری ہوسکتی ہے۔ کیونکہ دونوں کا فرق اتنا خفیف ہوتا ہے کہ دونوں میں امتیاز نہیں ہو پاتا۔ یہ انتہائی قرب اور مماثلت و مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

امامت کے معنیٰ یہی حال حضرات انبیاء علیہم السلام کے کمالات کا جن کے ادنیٰ درجے افراد امت کو باہمی فرق کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں کہ عام مسلمان کو حاصل شدہ کسی بھی کمال کو اگر پیغمبر کے اسی نوع کے کمال سے موازنہ کیا جائے تو دونوں کا فرق نہایت واضح اور نمایاں معلوم ہوگا۔ لیکن بعض خواص امت میں کوئی خاص کمال ساری امت کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ درجہ میں ہوتا ہے اور اگرچہ پیغمبر سے ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے لیکن دونوں میں حد سے زیادہ قرب کی وجہ سے ایک کا دوسرے سے امتیاز واضح اور نمایاں نہیں ہوتا۔ البتہ پیغمبر تو تمام کمالات کے اعلیٰ درجات کا جامع ہوتا ہے۔ لیکن خواص امت میں سے کسی میں اعلیٰ درجہ کا ایک کمال ہوتا ہے کسی میں دو اور کسی میں تین، کسی میں اور بھی

زیادہ، تو جس کسی کو جتنے اعلیٰ درجے کے کمالات حاصل ہوتے ہیں وہ اسی قدر اور ان ہی کمالات میں پیغمبر کے مشابہ ہو جاتا ہے اور اسی مشابہت کو امامت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ائمہ فقہ

مثلاً علم شریعت دو طریقوں سے حاصل ہوتا ہے۔ براہ[1] تقلید یا براہ[2] تحقیق، پھر تحقیق کے بھی دو طریق ہیں ایک الہام دوسرے اجتہاد، اور پیغمبر کا علم تقلیدی نہیں ہوتا، بلکہ تحقیقی ہوتا ہے، تو امت کے جن اکابر کو یہ درجۂ اجتہاد کمال درجہ میں حاصل ہوا۔ وہ اس کمال میں پیغمبر سے کمال مشابہت کی وجہ سے امام کہلائے گئے جیسے فقہ کے ائمہ اربعہ۔

ائمۂ کلام

اسی طرح علم عقائد انبیاء علیہم السلام کے پاس تقلیدی نہیں ہوتا بلکہ اس کی بنیاد یا استدلال ہوتا ہے یا الہام۔ اب جو احاد امت اس فن میں استدلال کے درجۂ کمال پر فائز ہوں ان کو مشابہت کی وجہ سے اس فن کا امام کہا جاتا ہے جیسے علم کلام کے

ائمہ نماز

امام رازی و غزالی وغیرہما، ایسے ہی ادائے نماز کے دو طریقے ہیں، انفراداً یعنی تنہا یا باجماعت، پھر جماعت کے ساتھ بھی یا مقتدی ہو کر یا امام بن کر۔ چونکہ پیغمبرؐ کی نماز باجماعت ہوتی تھی۔ اور وہ مقتدی نہیں بلکہ امام ہوتے تھے۔ اب اس بات میں جو آپ کے مشابہ ہوتا ہے اس کو امام کہا جاتا ہے۔

امام الامت

اسی طرح قوم و ملک کی معاشی تدابیر، ملی استحکام اور اصلاحِ معاد کا کام جس کو سیاست ایمانی کہا جائے اس کے قیام کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک بطریق تبعیت یعنی تابع ہو کر جیسے حضرات خلفاء رضی اللہ عنہم کے نائبین و معاونین۔ اور یا بطریق متبوعیت جیسے حضرات خلفاء راشدین۔ چونکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیاست دوسری نوع کی ہوتی ہے۔ اس لئے سیاست ایمانی کے قیام میں جو بربنائے متبوعیت درجۂ کمال پر پہونچے ہوئے ہوں۔ ان کو امام کہا جاتا ہے۔ اسی مشابہت کا پتہ اس

حدیث سے چلتا ہے :

قال النبی صلے اللہ علیہ وسلم تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم تکون خلافۃ علیٰ منھاج النبوۃ ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اللہ تعالیٰ ثم یکون ملکا عاضًا فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ ثم یکون ملکا جبریۃ فیکون ماشاء اللہ ان یکون ثم یرفعھا اللہ ثم تکون خلافۃ علیٰ منھاج نبوۃ ثم سکت۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں نبوت اس وقت تک رہے گی جب تک اللہ چاہیں گے کہ وہ رہے پھر اس کو اللہ تعالےٰ اٹھالیں گے۔ اس کے بعد منہاج نبوت پر (یعنی نبوت کے مشابہ) خلافت قائم ہوگی جب تک اللہ اس کے بارے میں چاہیں گے کہ وہ رہے پھر اس کو بھی اللہ تعالیٰ اٹھالیں گے تو خود مختار بادشاہتیں ہوں گی جب تک اللہ چاہیں گے، پھر وہ نظام بھی اٹھالیا جائے گا، تو جبری حکومت ہوگی جب تک اللہ چاہیں گے پھر اس کو بھی اٹھالیں گے، تو اس کے بعد پھر منہاج نبوت پر خلافت ہوگی اتنا فرماکر آپؐ خاموش ہوگئے۔

تو امام فن کے اس کمال میں اس نوع کے کمال پیغمبری سے کوئی فرق نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ درمیان میں نبوت کا فرق حائل ہوتا ہے جیساکہ بعض احادیث اس کی شاہد ہیں۔ مثلاً آپؐ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا جو ہر آئینہ کمالات نبوت کے حامل تھے۔

لوکان بعدی نبیًا لکان عمر — اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا :

انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی — تم میری نسبت سے ایسے ہو جیسے ہارونؑ موسیٰؑ کی نسبت سے تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

بہرحال مولانا شہیدؒ کی مذکورہ بالا شہادت سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ پیغمبر کا ہر خُلقی کمال حاصل کیا جا سکتا ہے سوائے نبوت کے۔

کمالات پیغمبری

اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ کیا کمالات پیغمبری ہیں جن کی ایک خلیفۂ راشد میں اور امامت کبریٰ کے بلند مرتبہ منصب کی اہل شخصیت میں موجودگی ضروری ہے اس سلسلہ میں بھی حضرت مولانا شہیدؒ سے ہی استفادہ کرنا ہوگا، یہاں ہم اپنے لفظوں میں کتاب "منصبِ امامت" کے متفرق حصوں سے خلاصہ درج کر رہے ہیں، کیونکہ اصل کتاب فارسی میں ہے اور کافی تفصیلی بحث اس کے اندر ہے۔

مولاناؒ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے:

حضرات انبیاء علیہم السلام کے وہ کمالات جن سے منصبِ امامت کے کمالات کا ربط و تعلق ہے پانچ قسم کے ہیں، جو یہ ہیں:

وجاہت[1]، ولایت[2]، بعثت[3]، ہدایت[4] اور سیاست[5]،

وجاہت[1] سے مراد یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں محبوبیت[1] اور ملائکہ مقربین کے نزدیک عزت نصیب ہو اور بندگان خدا کے حق میں واسطۂ[3] فیوض ربانی ہوں جس کو "سیادت" بھی کہا جاتا ہے۔

اقسام وجاہت

لیکن یہ وجاہت یا اعمالِ صالحہ اور کمالِ اطاعت کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے جیسے حدیث میں ہے:

لایزال عبدی یتقرب بالنوافل حتّٰی احببتہٗ الخ — ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ تقرب حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔

اور یا یہ وجاہت اجتبائی یعنی وہبی ہوتی ہے، اور کمالات بطورِ نتیجہ و ثمرہ ظاہر ہوتے ہیں اور یہی وجاہت حضرات انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:

یا مریم ان اللہ یبشرك بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ	اے مریم بلاشبہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے اور جو ذی وجاہت ہوگا دنیا اور آخرت میں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

وکان عند اللہ وجیھا	اور تھے وہ اللہ کے نزدیک ذی وجاہت۔
اور واصطنعتك لنفسی	اور تجویز کرلیا میں نے تجھے اپنے واسطے۔
اور واجتبیناھم وھدیناھم الی صراط مستقیم	اور برگزیدہ کیا ہم نے ان کو اور رہنمائی کی صراط مستقیم کی طرف۔
اور والقیت علیك محبۃ منی ولتصنع علیٰ عینی۔	

شعبہ ہائے ولایت | ولایت کے تین شعبے ہیں:

معاملات صادقہ: یعنی غیبی ذرائع سے تعلیم و تربیت اور تفہیم کا انتظام نیز الہام اور حکمت کا عطا ہونا

مقامات کاملہ: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور خشیت کا ہونا اور توکل، صبر و رضا، استقامت، زہد و قناعت وغیرہ ہیں۔

اخلاق فاضلہ: اس کے ذیل میں بلند ہمتی، شجاعت، حلم و حیا، اور لوگوں کے ساتھ شفقت و محبت آتی ہے۔

بعثت | بعثت کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کسی قوم کے عوام و خواص میں تبلیغ احکام کے لئے مامور ہوتے ہیں مگر بعثت کی ایک ظاہری صورت ہے۔ یعنی جن احکام کی ان کو تبلیغ کرنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی و الہام ان تک پہونچیں۔ اور

ایک باطنی حقیقت ہے۔ اور وہ ہے کہ ان حضرات کے مقدس قلوب میں مخلوق خدا کے لئے بے پایاں شفقت و محبت ہو، جیسے باپ کے دل میں اولاد کی محبت ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے وہ اُس اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی راہ میں ہر طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا ہے۔

ھدایت وجاہت کے ذیل میں جس سیادت یعنی واسطۂ فیوض ربانی ہونے کا تذکرہ ہے اسی کے اثرات اور متعلقہ امور کے ظہور کا نام ہدایت ہے۔

سیاست اس کا حاصل یہ ہے کہ معاشی نظم و ضبط اور ہر گوشہ ہائے زندگی کی فلاح و بہبود کے جو مقررہ اصول و ضوابط ہیں ان کے مطابق امامت و حکومت کے ذریعے عوام کی تربیت کرنا، اب اگر اپنی حکمرانی سے دینی اصول پر عوام کی اصلاح و تربیت اور دینی امور میں ان کو نفع رسانی مقصود ہو تو یہ "سیاست ایمانی" ہے، اور اگر اس کے برعکس محض برسر اقتدار آنا اور پھر اس کے ذریعے سے جاہ و مال کی محبت، اظہار شوکت اور توسیع اقتدار کے نفس پرستانہ جذبات کی تسکین مقصود ہے تو اس کا نام "سیاست سلطانی" ہے۔

سیاست ایمانی ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا تشریح کے مطابق "سیاست سلطانی" تو اپنی حرکات و سکنات اور طریق کار میں کسی ضابطہ قاعدہ کی پابند نہیں ہوتی اور نہ اس کے لئے کسی اہلیت و قابلیت کی شرط ہے، مگر سیاست ایمانی کی یہ صورت نہیں ہے۔ اس کا دائرہ بھی متعین اور نہج بھی مقرر، اور اس کے لئے بڑی گہری اور پختہ صلاحیت کی ضرورت بھی ہے، تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صلاحیت کے آئینہ دار پانچ ملکات ہیں:

فراست[۱]، امارت[۲]، عدالت[۳]، حفاظت[۴]، نظامت[۵]

(۱) فراست: اس کا مطلب یہ ہے کہ مردم شناسی کا ملکہ ہو، تاکہ جو جس صلاحیت کا

ہو اس کے مناسب ہی اس سے کام لیا جائے۔

(۲) امارت : اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ لشکر کشی اور مقابلہ آرائی کا سلیقہ ہو۔

(۳) عدالت : اس کا حاصل یہ ہے کہ فصل خصومات کی ماہرانہ اہلیت ہو، جس کے لئے بنیادی طور پر اس بات کی صلاحیت ہونی ضروری ہے کہ حق کو باطل سے اور صداقت کو کذب سے الگ کر سکے۔

(۴) نظامت : یعنی بیت المال کے تمام محاصل کی وصولیابی کا بہتر نظم ونسق اور پھر صحیح مصارف اور مقررہ مدات میں ان کے خرچ کا بندوبست کر سکے۔

امامت کی اقسام اب اگر کسی میں وجاہت اور ولایت یہ دو کمالات ہوں تو اس کو امامت خفیہ حاصل ہے اور اگر بعثت وہدایت بھی نصیب ہے تو امامت باطنی ملی ہوئی ہے۔ اور اگر ان کمالات کے ساتھ سیاست بھی میسّر ہے تو امامت تامّہ کے جلیل القدر منصب پر وہ فائز ہے۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو امامت کا یہی سب سے بلند مرتبہ یعنی "امامت تامّہ" حاصل تھا۔

جن حضرات کو امامت خفیہ حاصل ہے وہ بوجہ سیادت کے یعنی خداوند تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطۂ فیوض تو ہوتے ہیں مگر بعثت وہدایت کے نہ ہونے کی وجہ سے مخلوق کی ہدایت ان کے سپرد نہیں ہوتی اس لئے یہ فیوض تشریعی کے لئے واسطہ نہیں ہوتے بلکہ صرف فیوض تکوینی کے لئے ہوتے ہیں اور ان کو امام بھی نہیں کہا جاتا، البتہ جن کو امامت تامہ حاصل ہے ان کو مطلقاً امام کہا جاتا ہے۔ اسی امامت کی طرف آیت ربانی میں اشارہ ہے :

قال انی جاعلك للناس اماما — اللہ تعالےٰ نے (حضرت ابراہیمؑ سے) فرمایا میں بنانے والا ہوں تجھے لوگوں کا امام۔

اور وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا — اور بنادئے ہم نے ان میں سے امام جو ہدایت

لما صبروا — پاتے ہیں ہمارے امر سے جبکہ انھوں نے صبر کیا۔

اور وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وکانوا لنا عابدین — اور بنا دیا ہم نے ان کو امام جو ہمارے امر سے ہدایت پاتے ہیں اور ہم نے ان کی طرف وحی کی اچھے کاموں کے کرنے کی اور نماز کے قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی اور ہو گئے وہ ہمارے عبادت گذار۔

خواہ ان ائمہ سے ہدایت عام اور بکثرت پھیلی ہو جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پھیلی۔ اور یا ایک بھی ہدایت یافتہ نہ ہوا ہو جیسے حضرت لوط علیہ السلام سے نہ ہو سکا، مستفیدین کی کثرت و قلت کا اثر ان حضرات کے اپنے کمال اور مرتبہ پر کچھ نہیں پڑتا کیونکہ اس کا تعلق تو افرادِ قوم کی سعادت و شقاوت سے ہے، بہرحال جن کو امامت تامہ حاصل ہے ان کو خلیفۂ راشد کہا جاتا ہے۔ یہ تینوں اقسام امامت حقیقیہ کہلاتی ہیں۔

خلافت راشدہ کی انواع — ہاں البتہ خلفاء راشدین کے سلسلہ میں یہ فرق ہے کہ اگر کسی خلیفۂ راشد کی خلافت کو عامۂ مسلمین نے بالاتفاق تسلیم کیا ہو اور انتظام ملک وملت حسب منشاء خلافت چلا تو وہ خلافت منتظمہ ہے جیسے پہلے خلفاء ثلاثہ کی خلافت۔ اور اگر خلیفۂ راشد کی خلافت کو پوری امت نے اس وقت تسلیم نہیں کیا حالانکہ وہ خلیفۂ راشد اقامت خلافت میں بھرپور سعی فرماتے رہے تو وہ خلافت غیر منتظمہ ہے، جیسے خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کی خلافت، اور اگر خلافت منتظمہ کو لوگوں نے برضاء و رغبت اور بدل وجان قبول کیا ہو تو وہ خلافت محفوظہ ہے، اور اگر بعض لوگوں کو اس خلافت پر کچھ اعتراض ہوا، اور اس خلیفہ کے با اقتدار رہنے سے تکدر محسوس کرتے رہے لیکن بغاوت یا خلافت سے برخاستگی کے مطالبہ تک نوبت نہ پہونچی ہو تو اس کو خلافت مفتونہ

کہا جائے گا۔[1]

خلافت راشدہ ختم نہیں ہوئی

ایک بات یہ مشہور ہے کہ خلافت راشدہ بس حضرت علیؓ تک رہی ہے جیسا کہ حدیث میں بھی ارشاد ہے، الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (خلافت راشدہ میرے بعد تیس سال تک ہے) لیکن حضرت شہیدؒ اس کی وضاحت کر رہے ہیں کہ ایسا سمجھنا غلط ہے۔ مولانا شہیدؒ کا فرمانا یہ ہے کہ خلیفۂ راشد وہ ہے جو منصب امامت پر فائز ہو اور سیاست ایمانی کے ابواب کا اس سے ظہور ہو۔ جس کو بھی یہ بات حاصل ہوگی وہ خلیفہ راشد ہے خواہ وہ کسی بھی خاندان اور برادری کا ہو۔ لفظ خلیفہ کی نوعیت ایسی نہیں جیسے الفاظ خلیل اللہ، کلیم اللہ، حبیب اللہ، صدیق اکبر، فاروق اعظم اور ذو النورین وغیرہ ہیں کیونکہ یہ متعین افراد کے مخصوص خطابات ہیں، کسی دوسرے کے لئے نہ بولے جاتے ہیں اور نہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ لفظ خلیفہ کی نوعیت ایسی ہے جیسے ولی اللہ، مجتہد، عالم، عابد، فقیہ اور محدث، حافظ اور بادشاہ و وزیر کی ہوتی ہے کہ جن میں بھی یہ صفات خاصہ پائی جائیں گی ان ہی کے لئے یہ الفاظ بولے جائیں گے باقی حدیث میں تیس سال کی جو تحدید ہے اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ اس کے بعد خلافت راشدہ کا وجود سرے سے ہوگا ہی نہیں بلکہ منشا یہ ہے کہ تسلسل کے ساتھ تیس سال خلافت راشدہ رہے گی، پھر یہ تسلسل منقطع ہو جائے گا، اس کے بعد پھر کسی وقت خلافت راشدہ عود کرے گی یا نہیں اس کا تذکرہ اس حدیث میں نہیں ہے، لیکن دوسری حدیث میں عود کرنے کا تذکرہ ہے جیسا کہ سابق میں ایک حدیث نقل کی جا چکی ہے اس کے مطابق دور تابعین کے ایک بزرگ حضرت حبیبؒ نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو خلیفہ راشد قرار دیا تھا، جس کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بخوشی قبول بھی کیا تھا۔ نیز دوسری روایتوں میں مہدی موعود کی آمد کا تذکرہ ہے علاوہ ازیں آپ سے پہلے بھی بہت سے خلفاء راشدین اور مہدی آئے ہوں گے یا آئیں گے۔ حضرت مولانا شہیدؒ نے مہدیٔ موعود کے علاوہ دوسرے مہدیین کی تشریف آوری کے سلسلہ میں مختلف روایتیں بھی نقل کی ہیں[2]۔

(باقی)

---

[1] منصب امامت ص ۵۸ و ۵۹ [2] ماخوذ از کتاب مذکور ص ۶۰ تا ۶۲